© rasailojaraid.com

اسلام کا شورائی نظام اور جمہوریت

از قلم : حضرت العلام پیر محمد یعقوب قریشی صاحب شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الأثریہ جہلم (قسط نمبر ۱)

اسلام کے شورائی نظم ونسق پر کچھ کہنے سے قبل، نظم کی ضرورت کو پیش کرنا مناسب ہوگا تاکہ معلوم ہوسکے کہ آخر نظم کی نوعِ انسانی کو کیونکر ضرورت محسوس ہوئی اور انسان مختلف نظموں سے کیسے منسلک ہوا؟ یہ بات بالکل واضح اور یقینی ہے کہ نوعِ انسانی کی ابتداء کسی انسان ہی سے ہے۔ اس سے انکار نوعِ انسانی کی توہین اور تذلیل کو مستلزم ہے۔ انسان کی ابتداء انسان ہی سے انسان کے لیے جتنی باعزت ہے۔ اتنی اس کی ابتداء کسی حیوان سے باعزت نہیں، حتی کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس نے ترقی پاتے ہوئے موجودہ انسان کی شکل اختیار کی ہو، آخر کیا وجہ ہے؟ کہ اس نے موجودہ شکل وصورت سے ترقی پاتے ہوئے اس سے کسی بہتر شکل کو اختیار نہیں کیا؟ ترقی کے رک جانے کی بھی کوئی معقول وجہ ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے فرامین : ۱۔ ﴿يأيها الناس أتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً كثيراً ونساءً﴾ (سورۃ النساء : ۱)

ترجمہ : (اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیں)

۲۔ ﴿وإذقال ربك للملائكة إني جاعل في الأرض خليفة...... الخ﴾ (سورۃ البقرۃ : ۳۰)

ترجمہ : (اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں......) سے واضح طور پر ثابت ہے کہ انسان کی ابتداء انسان ہی سے ہے کیونکہ نفس واحدۃ سے مراد انسان ہی ہے اور زمین کی خلافت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کا انتخاب کیا اور پھر انسان ہی سے اس کی ہم جنس اور ان دونوں سے نوعِ انسانی کی تعداد میں وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوا...... حتی کہ آج اس کی آبادی اربوں تک جا پہنچی۔

تمدن کی ابتداء ظاہر ہے نوعِ انسانی کا اضافہ اپنے ساتھ تمدن (میل ملاپ) کو بھی لایا، جس سے اس کی زندگی کی ضرورتیں پوری ہوسکیں اور وہ آسانی سے زندگی گزار سکے، کیونکہ ایک انسان اپنی تمام ضرورتوں کو پورا نہیں کرسکتا اور نہ ہی وہ ان کو پورا کرنے پر قادر ہے، مثلاً : کھیتی باڑی کے لئے جن اشیاء کی ایک زمیندار کو ضرورت پڑتی ہے وہ سبھی کی سبھی خود پوری نہیں کرسکتا اگر پوری کرنے کی کوشش کریگا تو اس کے اصل کام میں وقفہ اور رکاوٹ پڑے گی۔ لہذا...... اسے اگر ایک طرف ہل پنجالی کے لئے بڑھئی کی ضرورت ہے تو دوسری طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حداد (لوہار) اور اپنا بدن ڈھانپنے کے لئے حائک (کپڑا بننے والا) جو تا بنانے والا، کپڑے سلائی کرنے والا، ڈاکٹر، سفر کے لئے ڈرائیور، گاڑی، الغرض ہر اس چیز کی ضرورت ہو گی جو اس کی غرض کو پورا کر سکتی ہو، ان ضرورتوں میں دوسرے کے تعاون کے بغیر انسان کی زندگی ممکن نہیں، اسی لئے انسان اپنے اضافہ کے ساتھ ساتھ ان ضرورتوں کے پیشِ نظر اجتماعی (تمدنی) زندگی کو اختیار کیا۔

نوعِ انسانی کے افراد کا جیسے جیسے اضافہ ہوتا چلا گیا ...... انسان کا اپنا کام محدود ہوتا چلا گیا اور اسکی ضرورتوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا...... حتی کہ آج ایک کارخانہ دار کو دیکھ لیجئے۔ اس کا اپنا کام صرف کارخانہ کی دیکھ بھال کی حد تک محدود ہے...... لیکن...... کارخانہ میں کام بیسیوں نوعیت کا ہے جسے پورا کرنے کے لئے بیسیوں نہیں سینکڑوں بلکہ اس سے بھی متجاوز ہزاروں انسانوں کی ضرورت ہے۔ کیا کوئی کارخانہ دار، فیکٹری کا مالک اپنی فیکٹری اور کارخانہ کی تمام ضرورتوں کو اکیلا پورا کر سکتا ہے؟

جواب یقیناً یہ ہی ملے گا کہ ہرگز نہیں...... بلکہ کارخانہ میں کام کے علاوہ مالک کو کارخانہ کی مشینری کی دیکھ بھال اور اس کے کل پرزوں کی مرمت اور تبدیلی کے لئے بھی علیحدہ عملہ کی ضرورت ہو گی اور پھر ان پرزہ جات کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کارخانہ دار ہی جانتے ہیں کہ کتنے وسائل کی ضرورت پڑتی ہے پھر کہیں جا کر ایک کارخانہ کو کامیابی سے چلایا جا سکتا ہے۔

دور نہ جایئے...... ایک گھر کے نظم و نسق کو دیکھ لیجئے۔ جب تک گھر کے تمام امور کی گھر کے افراد پر تقسیم نہ ہو اس وقت تک گھر کا نظم و نسق بھی با حسن طریق نہیں چلایا جا سکتا، مرد بیرونی کاموں کو سنبھالتا ہے جبکہ عورت گھریلو کام اور بچوں کو سنبھالتی ہے، پھر مرد کے بیرونی کاموں میں بھی تقسیم ہوتی ہے اور عورت کے اندرونی کاموں میں...... مرد کو اپنی جگہ دوسروں کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ عورت کو اپنی جگہ۔

ضرب المثل مشہور ہے: "ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔ بس انسان کی اسی ضرورت نے انسان کی تمدن کی طرف راہنمائی کی اور انسان نے اپنی بہتری کے لئے یہ راہ اختیار کی جس کے بغیر انسان کے لئے کوئی چارہ کار نہ تھا۔

نظم و نسق کی ضرورت

انسان نے جہاں اس تمدن، اجتماعی زندگی اور میل ملاپ نیز ایک دوسرے کے کام کرنے سے فائدہ اٹھایا اور اپنی ضرورتوں کو پورا کیا، وہاں اس تمدن سے کچھ خرابیاں بھی انسان کے سامنے آئیں، مثلاً: چوری، سرقہ، ڈاکہ، اغواء، زنا، ناجائز غیر کی چیز پر قبضہ، لالچ اور دوسری قسم کے بے شمار جرائم، جن سے سنجیدہ انسان کا پریشان ہونا بھی ایک ضروری امر تھا، لہذا ان پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے اسے روز اول ہی سے احساس ہونے لگا، یہ بھی انسان کی ایک ضرورت تھی ...... لہذا ...... انسان کی اس ضرورت نے تمدنی زندگی کی طرح، نظم و نسق کا بھی تقاضا کیا...... بس دنیا کا نظم و نسق روز اول ہی سے اسی تقاضے کی ایجاد ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چونکہ قدرت نے انسانی اذھان ایک جیسے پیدا نہیں کئے، ان میں کافی کچھ سوچ وبچار کے اعتبار سے تفاوت ہے، لہذا مختلف انسانوں نے مذکورہ مناسبت سے بچاؤ کے لئے مختلف طریق سوچے، یہ مختلف طریق اور راستے ہی دراصل انسان کے مختلف قوانین اور آئین ہیں۔ جن کو ماضی سے لیکر اب تک انسان نے اپنا کر، اجتماعی زندگی میں سرایت کر جانے والے مفاسد سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کی کوشش کی، گو مختلف اقوام کے مختلف قوانین وآئین سے کسی حد تک اقوام کو سکون حاصل ہوا...... لیکن جرائم کا مکمل سدباب نہ ہو سکا۔ آخر یہ انسان کا قانون، ضابطہ اور آئین تھا، اس میں کیونکر کمزوری نہ ہوتی، نہ دنیا میں قتل کا سدباب ہو سکا اور نہ ہی چوری، ڈاکہ، اغواء اور حقوق کے غصب وغیرہ کا۔

دنیا کا پہلا قتل قابیل کے ہاتھوں اپنے بھائی ہابیل کا ہوا، جس سے اس برائی کا راستہ کھلا، دنیا کا ہر سنجیدہ انسان اس راستے کو کھولنے کی بنیاد پر آج کے کسی بھی ناجائز قتل میں اس کو برابر کا شریک سمجھتا ہے اور رہتی دنیا تک سمجھا جائیگا...... کیونکہ برائی ایک برائی ہے اس کا راستہ دکھانا اس سے بھی بدتر ہے۔

ان برائیوں سے دفاع کے لئے ماضی اور حال میں انسان نے کافی کوشش کی لیکن انسان محض اس لئے ناکام رہا کہ اسکی کوشش میں خود خامیاں موجود تھیں اور ہیں۔

ان خامیوں سے بچاؤ اور برائیوں کا دفاع، انسان کی اپنی کوششوں سے ممکن ہی نہیں اسی لئے اللہ تعالی نے اپنے کرم وفضل سے انبیاء علیھم السلام کی وساطت سے ان جرائم کے سدباب کے لئے قوانین کو نازل فرمایا اور قوانین بھی جرائم کی مناسبت سے جس قسم کا جرم اسی قسم کی سزا، کیونکہ جرم اور سزا میں مناسبت کے بغیر جرائم کا خاتمہ ممکن نہیں۔

آج کی دنیا جو اپنے آپ کو ایک مہذب دنیا سمجھتی ہے ہر ممکن کوشش کے باوجود جرائم پر قابو پانے میں ناکام ہے تو اسلئے کہ اس کی تجویز کردہ سزا جرم کے مطابق نہیں کیونکہ مناسب سزا کے مقابلہ میں مصالح غالب ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل بھی جرائم کی سزائیں موجود تھیں۔ لیکن مصالح کا شکار، حتی کہ دنیا ان جرائم سے تنگ آکر کسی آخری مصلح کی ضرورت کو محسوس کرنے لگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوئی کہ اس نے نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر جرائم سے دنیا کو سکون بخشا، اور آج تک جرائم کے سدباب کے لئے اسلام کی پیش کردہ سزاؤں کے مقابلہ میں، دنیا بہتر قانون اور سزائیں پیش نہیں کر سکی۔

مثلاً: اسلام بقدر نصاب سرقہ (چوری) پر قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کا حکم فرماتا ہے، ذرا غور فرمایئے...... اس پر عمل ہونے سے سارق (چور) کا حوصلہ پست ہو گیا یا نہیں؟

یہ درست ہے کہ کوئی دوسرا سارق پیدا ہو سکتا ہے لیکن جس کو سزا مل چکی ہو گی وہ کسی دوسرے سرقہ کی جرأت نہیں کریگا، بالآخر کچھ انسانوں کو اس جرم کی سزا مل چکنے کے بعد قوی امکان یہ ہی ہے کہ یہ برائی معاشرہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ختم ہو گی۔ آج اگر یہ اور اس قسم کی دوسری برائیاں ختم نہیں ہو رہیں تو اس کی محض وجہ یہ ہے کہ جرم اور سزا میں مناسبت نہیں، نیز مصالح غالب ہیں۔

مصالح کا دور دورہ تو اتنا ہے کہ قانون وآئین بے معنی سا ہو کر رہ گیا ہے حالانکہ قانون ایک ایسی چیز ہے جس پر ملکی عوام کا سمجھوتہ ہوتا ہے، اسے مصالح کی نظر کرنا گویا کہ عوام کو نظر انداز کرنا ہے۔ اسی لئے دنیا کے اکثر قوانین مصالح کا شکار ہونے کے باعث ناکام ہیں۔ امریکہ جسے دنیا کا ایک مہذب ترین ملک سمجھا جاتا ہے...... ذرا اس میں سرقہ کے واقعات کا جائزہ لیجئے...... زنا بالجبر کو دیکھئے...... بنکوں کے فراڈ کو ملاحظہ فرمایئے۔ ہر سال ہزاروں چوریاں، زنا اور فراڈ کے واقعات پڑھنے اور سننے میں آتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود امریکہ اور یورپین ممالک پھر بھی مہذب کے مہذب، آخر تہذیب کا معیار کیا ہے؟ تہذیب کسے کہتے ہیں؟؟ اور یہ تہذیب ہے تو پھر یقیناً تہذیب کی تذلیل اور توہین ہے جسے مغربی ممالک تو تسلیم کر سکتے ہیں، لیکن اسلام اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ادیان قبول نہیں کر سکتے۔

ہم سمجھتے ہیں کسی بھی الہامی دین میں ان برائیوں کو تہذیب سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، اور ان کے ہوتے ہوئے کوئی قوم بھی مہذب کہلانے کی مستحق نہیں۔ برائی بہر حال برائی ہے اور نیکی، نیکی۔

لہذا اسی تناظر میں ہم اسلام کا شورائی نظام اور اسکے جمیع تر لوازمات اور موجودہ جمہوریت کے لوازمات کو پیش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

۱۔ ﴿وشاورهم في الأمر فإذا عزمت فتوكل على الله﴾ (آل عمران : ۱۵۹)

یعنی : "اے اللہ تعالیٰ کے نبیؐ! معاملات میں صحابہ سے مشورہ لیجئے اور مشورہ کے بعد جب آپ کسی امر پر پختہ ارادہ کرلیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے کام کو کر گزریئے"۔

۲۔ ﴿وأمرهم شورىٰ بينهم ومما رزقناهم ينفقون﴾ (سورۃ الشوریٰ : ۳۸)

یعنی : "مسلمانوں کے امور شورائی ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں"۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو بصیغۂ امر مشاورت کا حکم دے رہا ہے، جس سے مشاورت کی اہمیت اور لزوم کا پتہ چل رہا ہے اور مشورہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد رکھتے ہوئے کام کے کر گزرنے کی تلقین کی جارہی ہے۔

دوسری آیت میں اس بات کی خبر دی جارہی ہے کہ مسلمانوں کے امور شورائی ہیں، خواہ وہ دینی اجتہادی امور ہوں یا دنیاوی، کیونکہ وہ دینی امور جو امر و نہی اور احکام پر مبنی ہیں، ان میں مشاورت کا کوئی معنی نہیں، ایسے امور بہر حال انسان کے کرنے کے امور ہیں، جن سے پہلو تہی وانکار نہیں برتا جاسکتا۔ ﴿ومما رزقناهم ينفقون﴾ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے دنیاوی امور بھی شورائی ہیں کیونکہ انفاق من الرزق ایک دنیاوی امر ہے۔

مشاورت: ضرب المثل ہے : "ایک ایک اور دو گیارہ" یعنی ایک آدمی کی پوزیشن کمزور ہے جب دو مل جائیں تو ان کی قوت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ ظاہر ہے ایک انسان کی عقل جتنا کام کر سکتی ہے، دو کی اس سے کہیں زیادہ کرے گی، ایک کی سمجھ میں جتنا غلطی کا امکان ہے دو میں اس سے کم ہی ہوگا، لہذا شریعت، لازمی احکام کے علاوہ غلطی سے بچاؤ کیلئے مشاورت کا حکم دیتی ہے تاکہ معاملات صحیح یا صحت کے اقرب ہوں نہ کہ غلط یا غلطی کے اقرب۔

لیکن مشاورت میں شرط یہ ہے کہ اهل المشورة، مشورہ کے اہل ہوں کیونکہ ہمیشہ مشورہ، صاحب مشورہ سے ہی لیا جاتا ہے اور اسی سے ہی صحیح مشورہ کا امکان ہے۔

بیماری کے بارے میں ہمیشہ مشورہ حکیم یا ڈاکٹر سے ہی لیا جاتا ہے، کبھی کوئی بیمار بیماری کے علاج معالجہ کے لئے کسی سیاستدان یا کسی فلاسفر اور پروفیسر کے پاس نہیں جاتا اور نہ ہی اس سے اس بارے کوئی مشورہ لیتا ہے۔ سیاسی مشورہ، سیاستدان، سائنسی مشورہ، سائنسدان، فصلوں کی بوائی کا مشورہ، زمیندار اور صنعتوں کا مشورہ کسی صنعت کار ہی سے لیا جاتا ہے۔ بہر حال کسی بھی معاملہ میں مشورہ اس معاملہ کی واقفیت اور سمجھ رکھنے والے انسان ہی سے لیا جاتا ہے، لہذا امورِ شرعیہ اور دنیاویہ میں بھی مشورہ، ان امور میں سمجھ رکھنے والے انسانوں سے ہی لیا جاسکتا ہے۔ اور وہ ہی صحیح اور بہتر مشورہ دے سکتے ہیں۔ ورنہ معاملہ میں نقصان کا امکان ہوگا۔

شریعت میں جن معاملات میں آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا ہے وہ نہایت سنجیدہ، دیانت دار، آپؐ کے تربیت یافتہ اور جانثار صحابہؓ تھے، جن میں نہ ہی تو کنبہ پروری تھی اور نہ ہی اپنی ذات کی ترجیحی، بلکہ خالص حسبۃً للہ امور کو سر انجام دینے کا جذبہ تھا، ان کا مشورہ صائب اور درست ہوا کرتا۔

ایسے ہی آج بھی تعلیم یافتہ، معاملہ فہم اور نیک لوگ موجود ہیں...... بالکل ناپید نہیں، ان سے مشورہ لیا جاسکتا ہے اور انکی مفید آراء کو معمولی بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ایسے لوگوں کے علم و فہم سے فائدہ حاصل کرنا ضروری نہیں سمجھا جاتا، اور معاملات کو سلجھانے کے لئے ایسے انسانوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو ان سے واقفیت نہیں رکھتے یا انہیں مکمل واقفیت حاصل نہیں ہوتی۔

موجودہ دورِ جمہوریت میں امورِ مملکت کو جن لوگوں کے سپرد کیا جاتا ہے ان پر ذرا غور کیجئے اور دیکھئے کہ کتنے انسان ان کو سلجھانے کی اہلیت رکھتے ہیں، بلکہ ایسے ایسے نمائندگان بھی سامنے آجاتے ہیں جو تعلیم سے ناواقف اور معاملات سے بے خبر ہوتے ہیں، بلکہ ووٹ کی طاقت سے ایسے لوگوں کے آنے کی بھی گنجائش موجود ہے جو معاملاتِ ریاست کو سلجھانے کی بجائے ان کے بگاڑ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

آج اگر دنیا میں سرقہ، ڈاکہ، غبن، اغواء اور زنا جیسے سنگین جرائم ختم نہیں ہو رہے تو اس کی بڑی وجہ وہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذمہ دار افراد ہیں جن کو ان جرائم کے ختم کرنے کیلئے اسمبلیوں میں آگے لایا جاتا ہے۔ یہ لوگ جرائم کو ختم کیا کریں گے بلکہ جرائم کی حوصلہ افزائی کے لئے کام کریں گے۔ سنجیدہ عوام دنیا میں جرائم کی فضاء سے تنگ ہیں۔اور اس کے علاج سے بھی وہ مایوس ہیں۔ کونسا جمہوری ملک ہے جس کے سنجیدہ لوگ ان جرائم کو پسند کرتے ہوں لیکن ظاہری دکھلاوے کی کوششوں سے جرائم ختم نہیں ہورہے بلکہ دن بدن ان میں اضافہ ہی ہورہا ہے، امریکہ میں ہر سال ڈکیتی فراڈ، زنا اور دیگر غلط امور میں اضافہ ہی ہورہا ہے۔اور یہی حال دیگر یورپین ممالک میں بھی ہے، یہ سب کچھ دنیا میں موجود ہے اور اس کا صحیح حل سامنے نہیں آرہا تو اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ حکومت کے ذمہ دار افراد اور اس کی مشاورت کے لئے صحیح اور اہل انسان سامنے نہیں لائے جارہے، بلکہ ان کے راستے کو بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ذرا غور فرمایئے...... آخر الزمان نبی ﷺ اللہ تعالی کے رسول ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے غزوۂ احد میں صحابہ سے مشورہ لیا کہ آیا، قریش کا مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر مقابلہ اور دفاع کیا جائے یا مدینہ منورہ میں؟

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: "واستشار رسول الله ﷺ الناس أيخرج إليهم ام يمكث بالمدينة فأشار عبدالله ابن أبي بالمقام بالمدينة......وأشار آخرون من الصحابة ممن لم يشهد بدراً بالخروج إليهم" (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۳۰) یعنی: "آپ ﷺ کے مشورہ لینے پر عبداللہ بن ابی نے تو یہ مشورہ دیا کہ مدینہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے...... جبکہ دوسرے صحابہؓ کرام جو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے، نے مدینہ سے باہر نکل کر دفاع اور دشمن کے مقابلہ کو مناسب سمجھا"۔

۲۔ ایسے ہی واقعہ افک میں نبی کریم ﷺ نے حضرت بریرہؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت علیؓ سے مشورہ لیا۔

(ودعا رسول الله ﷺ علي بن أبي طالب وأسامة بن زيد حين استلبث الوحي يسألهما ويستشيرهما في فراق أهله ...... الخ) (صحیح بخاری شریف: ۲/۵۹۵) یعنی: "آپ ﷺ نے واقعۂ افک میں حضرت بریرہؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت علیؓ سے مشورہ لیا اور انھوں نے مشورہ دیا"۔

۳۔ ایسے ہی مسئلہ اذان میں آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ نماز کے اعلام کے لئے کیا صورت ہونی چاہیے؟

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں (كان المسلمون حين قدموا المدينة ......) (صحیح بخاری: ۱/۸۵)

یعنی: "ہجرت الی المدینہ کے بعد جب صحابہؓ اور نبی کریم ﷺ نے اجتماعی نماز پڑھنے کی ضرورت محسوس کی تو نماز کی اطلاع کے لئے صحابہؓ سے مشورہ ہوا جس میں بعض نے اعلام کی یہ صورت پیش کی، نصاریٰ کے ناقوس کی طرح ناقوس بجایا جائے اور بعض نے یہود کے قرن کی طرح قرن استعمال کرنے کا مشورہ دیا، لیکن حضرت ابن عمرؓ نے موجودہ اذان کا مشورہ دیا، جسکی تائید رسول اللہ ﷺ نے وحی سے فرمائی، جس سے اذان کا موجودہ طریق مشروع قرار پایا"۔

۴۔ اساریٰ بدر کے بارے نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ لیتے ہوئے فرمایا: (ماتقولون فی ھٰؤلاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الأساریٰ ؟ قال ابو بکرؓ : یارسول الله! قومك وأهلك، واستبقهم لعل الله أن یتوب علیهم وقال عمرؓ : یا رسول الله! کذبوك وأخرجوك فقدمهم فاضرب أعناقهم وقال عبدالله بن رواحة: یارسول الله! أنت في وادکثیرالحطب فاحرم الوادی علیهم ثم القهم فیه، قال فسکت رسول الله ﷺ فلم یرد علیهم شیئاً)۔(مختصر سیرت الرسول : ۲۱۷، بحوالہ ترمذی : ۳۰۱)

یعنی :"حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا : یارسول اللہ ﷺ انہیں معاف کردینا چاہیے اور موت کے گھاٹ نہیں اتارنا چاہیے، کیونکہ یہ آپ ہی کے اھل اور قوم کے افراد ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا : یارسول اللہ ﷺ انھوں نے آپؐ کی تکذیب کی، لہذا انکی گردنیں اڑادینی چاہئیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے فرمایا یارسول اللہ ﷺ آپ جہاں کھڑے ہیں یہاں ایندھن کی کوئی کمی نہیں، لہذا آگ جلاکر انہیں جلادیا جائے۔

لیکن آپ اس انتظار میں خاموش رہے کہ شاید اللہ تعالی کا کوئی حکم ان کے بارے نہ آجائے، بالآخر حکم ذیل کے الفاظ میں آہی گیا۔﴿ماکان لنبي أن یکون له أسریٰ حتی یثخن فی الأرض﴾ (الانفال : ۶۷)

یعنی :"اللہ کے نبی کے لئے یہ لائق نہیں کہ دشمن کے قیدیوں کا خون بہائے بغیر انہیں آزاد کیا جائے"۔

امام ترمذیؒ نے اس مذکورہ بالا روایت کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے : "باب المشورۃ"۔

غزوۂ احزاب میں جب نبی کریم ﷺ کو کفار کے اجتماعی حملے کی تیاری کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے خندق کھدوائی۔ انہوں نے کہا : (قال یارسول الله انا کنا بفارس اذا حوصرنا خندقنا علینا)(طبری تاریخ الامم والملوک : ۳/۴۴)

یعنی :"جب ہمیں فارس میں دشمن کے محاصرہ کا خطرہ لاحق ہوتا تو ہم اپنے دفاع میں اردگرد خندق کا انتظام کرتے"

یقیناً اس مشورہ پر عمل کرنے سے آپ ﷺ اور صحابہؓ دشمن کی یلغار سے بچ گئے۔

۶۔ غزوۂ قادسیہ میں جب حضرت عمرؓ صحابہؓ کا لشکر لیکر جب اس مقام پر پہنچے جو مدینہ سے تقریباً تین میل دور ہے۔ تو صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کی وساطت سے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عراق جانے کا ارادہ ہے، ساتھ ہی حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ کیا اس سفر عراق میں خود آپکی قیادت کروں یا کسی اور مناسب امیر کو روانہ کروں؟ تو بعض صحابہؓ نے فرمایا کہ آپ خود اس سفر کی قیادت سنبھال لیں......بعد میں جب دوبارہ مشورہ ہوا تو حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ آپ نہ جائیں بلکہ کسی دوسرے مناسب انسان کی قیادت میں لشکر کو روانہ کریں۔

بالآخر یہی صورت مناسب سمجھی گئی کہ عراق کی طرف جانے والے لشکرِ اسلامی کو حضرت سعد بن مالکؓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی قیادت میں روانہ کیا جائے۔

حضرت عمرؓ کے مشورہ حاصل کرنے کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں :(فجمع عمرؓ الناس وقال لهم انی کنت عزمت علی المسیر حتی صرفنی ذووا الرأي منكم وقدرأيت أن أقيم وأبعث رجلاً فأشيروا علي برجل) (کامل ابن الاثیر : ۲/ ۳۱۰ طبع دار الکتاب العربی ۔ بیروت)

یعنی : "میرا یہ پختہ ارادہ تھا کہ سفر عراق میں، میں خود لشکر کی قیادت کرونگا، لیکن اصحاب الرأی نے مجھے خود قیادت کرنے سے روک دیا ہے لہذا مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کسی انسان کی قیادت میں لشکر روانہ کروں ؟"

بالآخر حضرت سعدؓ کی قیادت میں صحابہؓ کے مشورہ سے لشکر کو روانہ کیا گیا۔

۷۔ غزوۂ خندق میں آپ ﷺ نے صحابہؓ سے اس بات پر بھی مشورہ لیا کہ اس سال مدینہ منورہ کے پھلوں کا ثلث ایک تہائی کفار کو دیکر مصالحت کرلی جائے لیکن حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کے انکار پر اس تجویز کو ترک کردیا۔ ابن کثیرؒ نقل کرتے ہیں :(وشاورهم يوم الخندق فی مصالحة الأحزاب بثلث ثمار المدينة عامئذ ، فأبیٰ ذالك عليه السعدان، سعد بن معاذ وسعد بن عبادة رضوان الله عليهم فترك ذالك) (تفسیر ابن کثیر : ۱/ ۴۵۴)

آگے ابن کثیر لکھتے ہیں : (فكان رسول الله ﷺ يشاورهم فی الحروب نحوها)

یعنی :"آپ ﷺ دشمن سے مقابلہ میں اور کئی ایک دوسرے امور میں، صحابہؓ سے مشورہ لیا کرتے"۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیت ﴿وشاورهم في الأمر﴾ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ دونوں آپ ﷺ کے حواری اور آپؐ کے وزیر تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ نقل کرتے ہیں : (عن عبدالرحمن بن غنم ان رسول الله ﷺ قال لابی بکر وعمر لواجتمعتمافی مشورة ماخالفتكما) ترجمہ :"رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کیلئے فرمایا اگر تم دونوں کسی ایک مشورہ میں جمع ہو جائیں تو میں ان کی مخالفت نہیں کر سکتا"۔

یعنی :"ان کا مشورہ اتنا صائب اور درست ہو تا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو بھی اس پر اعتماد ہو تا"۔

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے :(المستشارمؤتمن) اور (إذا استشار أحدكم أخاه فليشر عليه)

یعنی :"جب آپ سے کوئی مشورہ لے تو اسے مشورہ دینا چاہیے، چونکہ جس انسان سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ عنداللہ امین سمجھا جاتا ہے، لہذا اسے مشورہ بھی صحیح دینا چاہیے"۔

ان روایات کے ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو یہ بالعموم نبی کریم ﷺ اور امت سبھی کے لئے مشورہ پر دال ہیں، تاہم علامہ طبری اس میں قدرے تفصیل نقل کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ بعض اہلِ علم کا تو یہ خیال ہے : (أمر الله نبيه صلی اللہ علیہ وسلم بقوله ﴿وشاورهم في الأمر﴾ بمشاورة أصحابه في مكايد الحرب و عندلقاء العدو تطييباًمنه بذالك أنفسهم وتألفالهم علی دينهم وليروا أنه يسمع منهم ويستعين بهم وان كان الله عزوجل قدأغناه بتدبيره له أموره و سياسته أياه وتقويمه أسبابه عنهم) (تفسیر الطبری : ۷ / ۳۴۳ طبع دارالمعارف مصر)

یعنی : ''اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو جہاد اور دشمن سے ملاقات کے وقت صحابہؓ سے مشورہ لینے کا اس لئے حکم دیا ہے کہ ایک تو ان کی تطیب نفس اور تالیف قلب ہو سکے، دوسرے یہ کہ یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ ہم سے مشورہ لیتے ہیں صحابہؓ اپنی عزت اور حوصلہ افزائی سمجھیں، اگرچہ آپ مشورہ کے محتاج نہ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے جمیع امور کی تدبیر اور سیاست میں آپ کو دوسروں سے بے نیاز کر رکھا تھا۔ وحی کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ کو کسی دوسرے انسان کی تدبیر اور مشورہ کو ضرورت نہ تھی''۔

نیز جب صحابہؓ یہ سمجھیں گے کہ وحی کی موجودگی میں آپؐ مشورہ کے محتاج نہیں اور اسکے باوجود ہم سے مشورہ کرتے ہیں، تو اس سے ان میں آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی یہ جذبہ پیدا ہو گا کہ مشورہ ایک اچھی اور ضروری چیز ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کو پیشِ نظر رکھ کر دوسروں سے مشورہ لے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی بہتر راہنمائی فرمائے گا۔

۲۔ بعض اہلِ علم کا یہ خیال ہے کہ آپ ﷺ کو اس لیے مشورہ کا حکم دیا گیا ہے تاکہ دوسروں کے مشورہ سے واضح اور بہتر رائے سامنے آسکے۔ اور یہ ہی مشورہ کی فضیلت اور بہتری ہے اور یہ اصحابؓ اپنی تائید میں حضرت حسنؒ کا ایک قول نقل کرتے ہیں : (عن الحسن ماشاور قوم قط الا هدوا لارشه امورهم)

یعنی : ''جب کوئی قوم کسی امر میں مشورہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہتر امر کی ہدایت فرماتا ہے''۔

لہٰذا ان صحاب سے مشورہ بہتر امر کو حاصل کرنے کے لئے ہے۔

۳۔ بعض اہلِ علم کا یہ کہنا ہے کہ

آپ ﷺ کو جو صحابہؓ سے مشورہ لینے کا حکم دیا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپؐ کے مشورہ سے بعد میں آنے والے اہلِ اسلام راہنمائی حاصل کر سکیں اور جب کبھی انہیں کوئی مسئلہ پیش آئے تو آپس میں صلاح مشورہ کر سکیں۔ گویا کہ آپ نے بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے مشورہ کی ایک سنت وضع فرمائی ہے۔ حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہنمائی میں کسی مشورہ کی ضرورت نہ تھی۔

۴۔ ابو جعفر فرماتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو صحابہؓ سے مشورہ کا حکم اس لئے دیا ہے کہ دشمن کی مخالف تدبیروں پر غور کرنے کے ساتھ ان مسلمانوں کی راہنمائی بھی کی جاسکے جو بصیرت کی کمی کے باعث شیطانی فتنوں سے نہیں بچ سکتے، جب وہ زمانہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبوت کے مشوروں کو دیکھیں گے تو وہ مشورہ کا سہارا لیتے ہوئے، شیطان اور دشمن کی تدابیر کو ناکام بنا سکیں گے۔

شیخ محمد رشید رضا ﴿وشاورھم فی الأمر﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں: " العام الذی ھو سیاسة الأمة فی الحرب والسلم الخوف والأمن وغیر ذالك من مصالحتھم الدنیو یة...... " (تفسیر المنار: ۴/ ۱۹۹ طبع دار لمعرفة بیروت)

یعنی: "شیخ فرماتے ہیں کہ ﴿وشاورھم فی الامر﴾ میں امر سے مراد امر عام ہے، خواہ وہ سیاستِ حرب سے تعلق رکھتا ہو یا صلح سے، خوف سے تعلق رکھتا ہو یا امن سے، یا اس کے علاوہ دنیوی مصالح سے، بہر حال اللہ تعالیٰ یہ حکم دے رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! مشاورت پر قائم رہیے، جیسا کہ آپؐ نے غزوۂ احد میں مشاورت سے کام لیا، خواہ اصحاب مشورہ میں غلطی بھی کر بیٹھیں کیونکہ مشاورۃ کی تربیت میں صحابہ کی جو مکمل خیریت ہے وہ رئیس یعنی فرد واحد کی رائے پر عمل کرنے میں نہیں۔ خواہ وہ صحیح بھی کیوں نہ ہو، کیونکہ مشاورت کے اصول میں مسلمانوں کے مستقبل کی حکومتوں کے لئے جو بہتری ہے وہ عدم مشاورت میں نہیں، کیونکہ صلاحیت رکھنے والے اھل المشورۃ اور اھل الرائے انسانوں کی غلطی کا امکان کم ہے بانسبت رئیس فردِ واحد کے اور امت کو فردِ واحد سے جو نقصان پہنچ سکتا ہے وہ زیادہ انسانوں کی مشاورۃ سے طے شدہ امر میں نہیں پہنچ سکتا"۔

لیکن خیال رہے زیادہ انسانوں کی مشاورت بہتر ہے بشرطیکہ وہ مشورہ کے اہل اور صاحبِ صلاحیت ہوں۔ اہلِ شوریٰ میں یہ شرط وہ بنیادی چیز ہے جس سے موجودہ جمہوریت اور مجلس شوریٰ میں مابہ الامتیاز سامنے آتا ہے۔

زمانۂ نبوت میں شوریٰ کی کیفیت: فتح مکہ سے قبل جبکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور ان کا اجتماع مسجد نبوی کی حد تک ہی محدود تھا، اس وقت آپ حال کے تقاضا کے مطابق معاملات میں مشورہ لیتے، فتح مکہ کے بعد جبکہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے تو آپ کی مشاورت راسخ الامور اور علم میں صاحب مرتبہ صحابہ جنھیں آپکی زیادہ صحبت نصیب تھی سے ہونے لگی آپ امت کو پیش آنے والے مسائل میں مشورہ لیتے۔ ہاں جن امور میں اللہ تعالیٰ آپؐ کی بذریعہ وحی راہنمائی فرماتا آپؐ کو مشاورت کی ضرورت نہ ہوتی اور وہ مسائل اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق آپؐ بیان فرماتے اور ان پر من وعن عمل کی تلقین فرماتے۔

فتح مکہ کے بعد گو مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا اور مدینہ طیبہ سے بعید مختلف مقامات پر اہلِ اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا جس کے پیشِ نظر اس بات کی ضرورت تھی کہ آپؐ بڑھتے ہوئے اہلِ اسلام کیلئے شوریٰ کا کوئی ضابطہ اور قانون وضع کر دیا جائے، لیکن مستقبل کے تقاضے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آپؐ نے اس ضابطہ کو کھلا رکھا تا کہ وقت کی ہر حکومت، وقت کے تقاضے کے مطابق کتاب و سنت کے امور پر رہتے ہوئے شورائی نظام وضع کر سکے۔

لہذا آپ ﷺ نے کوئی باضابطہ شورائی نظام مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر وضع نہ فرمایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ اس لئے کہ شورائی نظام مختلف زمانوں اور مختلف مقامات کے تقاضے کے مطابق مختلف ہو سکتا ہے۔لہذا ایک نظام متعین کر دینے کی صورت میں تنگی بھی ہو سکتی تھی۔آخر مختلف قبائل اور مختلف ممالک جن کی بو دوباش اور ماحولِ معاشرت یقیناً مختلف تھی، اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد ،ایک شورائی نظام میں ان کے لئے آگے بڑھنا مشکل ہو سکتا تھا۔ لہذا اس کی جزئیات کو آپ ﷺ نے وضع نہیں فرمایا۔

یوں بھی ممکن تھا کہ آپ ﷺ قانون کو تو وضع فرمادیتے لیکن مستقبل کے تقاضے کے مطابق تغیر اور تبدیلی کی اجازت فرمادیتے، لیکن اس میں زیادہ اختلاف کا امکان تھا۔کیونکہ کچھ لوگ وقت کے تقاضے کے مطابق آپؐ کی اجازت سے فائدہ اٹھانے کو ترجیح دیتے جبکہ کچھ لوگ آپ کے وضع کردہ ضابطے اور قانون ہی کے مطابق چلنے کو ترجیح دیتے، لہذا آپ ﷺ نے بہتر یہی سمجھا کہ شورائی نظام کو کسی قاعدہ سے منضبط نہ کیا جائے۔آخر ایسے انسانوں کی کوئی کمی نہ تھی جو اجازت کے باوجود آپؐ کی رائے کو ہر حالت میں ترجیح دیتے، جیسے امام احمد بن حنبلؒ ضعیف حدیث اور مرسل روایت پر عمل کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔

۲۔ اگر آپ ﷺ شورائی نظام کیلئے از خود قواعد وضع فرمادیتے تو آپؐ کا ﴿وشاورھم فی الامر﴾ پر عمل نہ ہوتا اور یہ بھی آپؐ کے حق میں ایک امر محال ہے، کیونکہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت نہیں کر سکتے۔

اور اگر آپ ﷺ مسلمانوں کی رائے اور مشورہ کے قواعد کو وضع فرماتے تو اس کی صورت میں اکثریت کی رائے پر عمل ممکن تھا حالانکہ اکثریت کی رائے غلط بھی ہو سکتی ہے جیسے غزوۂ احد میں دشمن کے مقابلہ کیلئے اکثریت نے آپؐ کو یہ رائے دی کہ باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے لیکن یہ رائے غلط ثابت ہوئی لہذا نتیجتاً جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہی ہے کہ مشاورت تو ہونی چاہیے لیکن اہلِ مشاورت اور اہلِ رائے سے...... جن میں مشورہ دینے کی صلاحیت موجود ہو...... نہ کہ ہر ایک انسان سے چونکہ ہر انسان میں مشورہ اور انتخاب کی صلاحیت موجود نہیں ہوتی اسی لئے حضرت عمرؓ نے بحث کو طویل نہ کرتے ہوئے اور صحابہؓ کو اختلاف سے بچاتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر جلد بیعت کی اور دوسروں نے بھی حضرت عمرؓ کی بیعت کو دیکھتے ہوئے ابو بکرؓ کی بیعت کر لی، اس سے یہ فائدہ ہوا کہ امت اختلاف سے بچ گئی اور انتخاب بھی اپنی جگہ پر بہتر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے بھانپ لیا کہ ہر ایک کا مشورہ ضروری نہیں لہذا بحث کو ختم کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: (بأن بيعة أبي بكر كانت فتنة وقى الله المسلمين شرها الخ)یعنی: ''حضرت ابو بکرؓ کی بیعت جلد اچانک ہو گئی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شر سے بچالیا''۔

یعنی: وہ اختلاف کا شکار ہونے سے بچ گئے۔

گو آپ ﷺ شورائی نظام کیلئے کوئی قاعدہ اور ضابطہ تو وضع نہیں فرمایا لیکن مشورہ کی افادیت کو آپؐ سمجھتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ علامہ بغویؒ کے حوالے سے مذکورہ آیت کے تحت نقل کرتے ہیں:

(عن عائشۃؓ قالت مارأیت رجلاً أکثر استشاراً للرجال من رسول اللہ ﷺ) یعنی: "مائی صاحبہ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ لوگوں سے مشورہ کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا"۔

سابقہ واقعات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپؐ نے مشاورت کے کوئی ضوابط تو مقرر نہیں فرمائے لیکن نفس مشورہ اسلام کے شورائی نظام کا ایک اہم حصہ ہے، اس کے قواعد وضوابط کو آپؐ نے وقت کی حکومت اور سربراہِ مملکت کی صوابدید پر چھوڑا، وہ کتاب وسنت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وقت کے تقاضا کے مطابق مناسب قواعد وضوابط کو وضع کرسکتے ہیں اور اسی میں امت کی بہتری اور مسائل کا حل ہے۔ لیکن جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مشورہ صرف ان امور ومسائل میں ہوگا جن کے بارے کتاب وسنت کی کوئی واضح ہدایت موجود نہ ہوگی کیونکہ واضح حکم کے ہوتے ہوئے مشورہ کی ضرورت نہیں۔ کتاب وسنت کا واضح حکم حرفِ آخر ہے۔ اسلام کے بنیادی امور نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ، نیز ایمان یہ ایسے اتفاقی امور ہیں، جن کی فرضیت میں مشورہ بے معنی ہے۔ ہاں مشورہ اس بات میں ہوسکتا ہے کہ مسافر روزہ رکھ سکتا ہے کہ نہیں؟ حج کی فرضیت کے بعد آیا حج بالفور ہونا چاہیے یا بالتاخیر؟ مالِ مستفاد میں حولانِ حول ضروری ہے یا نہیں؟ بیع منابذہ، محاقلہ اور مخابرہ کی کیا تعریف ہے؟ لہذا...... معلوم ہوا مشورہ ہر اس امر میں ہوگا جس میں واضح شریعت کا حکم موجود نہ ہو اور اختلاف کا امکان ہو...... خواہ وہ امر مملکتِ ریاست سے متعلق ہو یا مملکت کے افراد سے۔

مشورہ کا حکم: چونکہ بلا قرائن صارفہ امر وجوب کے لئے آتا ہے لہذا کتاب وسنت کے صریح احکام کے علاوہ دوسرے امور میں مشاورت ضروری ہوگی۔ خاص کر سربراہِ مملکت کیلئے تاکہ وہ کسی امر میں غلطی نہ کر بیٹھے۔ کیونکہ اس کی عظیم ذمہ داری کے پیشِ نظر اگر وہ غلطی کریگا تو وہ غلطی بھی عظیم ہوگی، جس میں عظیم نقصان کا امکان ہوگا یہی وجہ ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ﴿وشاورھم فی الامر﴾ کا حکم فرمایا تاکہ سربراہِ مملکت اور اہم عہدیدار مشاورت کو لازم پکڑیں اور عوام کو غلطی کے نقصان سے بچائیں، ورنہ نبی کریمؐ کو اللہ تعالیٰ کا رسول ہوتے ہوئے اس خطاب کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ آپؐ کو وحی کی اعانت حاصل تھی جس کے ذریعے آپؐ غلطی سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ یہ محض امت کو ہدایت کی جاری ہے کہ وہ مشاورت کو لازم پکڑے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کو مشورہ کا حکم دیا جارہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ امت کے لئے ضروری نہ ہو، بس آپ یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعہ امت کے لئے مشاورت کی ایک سنت جاری فرمائی۔

مشورہ کے اہل کون لوگ ہیں؟: پیچھے گزر چکا ہے کہ مشورہ کے اہل وہی اہلِ علم ہیں، جو مشورہ کی اہلیت اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صلاحیت رکھتے ہیں۔ نااہل افراد سے مشورہ کا کوئی معنی نہیں...... بلکہ ان کا مشورہ مفید ہونے کی بجائے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔ بلکہ نقصان ہی کا زیادہ امکان ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے پاس جب کوئی مسئلہ قضاء یعنی فیصلہ کیلئے آتا تو وہ پہلے کتاب اللہ میں اس کا جواب دیکھتے اگر نہ ملتا تو پھر سنت رسول اللہ ﷺ میں دیکھتے اگر یہاں بھی نہ ملتا تو پھر " جمع رؤوس الناس وخيارهم فاستشارهم فإذا اجتمع رأيهم على أمر فقضىٰ به "(حجۃ اللہ البالغہ :۱/۱۴۹ طبع مکتبہ السلفیہ لاہور)

یعنی : "سرکردہ اور بہتر اہل علم صحابہؓ کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے ، جب ان کی رائے کسی ایک فیصلہ پر مجتمع ہو جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ صادر فرمادیتے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ مشورہ کے اہل بہتر صحابہؓ کو سمجھتے ظاہر ہے کہ بہتر وہی ہو سکتے ہیں جو بہتر مشورہ دے سکتے ہیں اور بہتر صحیح مشورہ وہی انسان دے سکتا ہے جو مشورہ کا اہل اور اسکی صلاحیت رکھتا ہے

علامہ قرطبی اپنی تفسیر (۴/۲۵۱۔ طبع مکتبۃ الغزالی دمشق) میں نقل کرتے ہیں :

۱۔ "الشورىٰ بركة، (وقال ﷺ :ماندم من استشار ولا خاب من استخار)"۔

یعنی :" شوریٰ موجب برکت ہے اور آپ ﷺ کا فرمان ہے : جو کسی سے مشورہ لیتا ہے وہ ندامت نہیں اٹھاتا اور جو استخارہ کرتا ہے وہ خسارے کا شکار نہیں ہوتا"۔ یعنی :"دوسروں سے بہتر مشورہ مل جانے کے سبب انسان خسارے اور ندامت سے بچ جاتا ہے"۔

۲۔ حضرت سہل بن ساعدیؓ آپؐ سے نقل کرتے ہیں :(عن رسول الله ﷺ ماشقىٰ قط عبد بمشورة وما سعد باستغناء رأى) یعنی : "صحیح مشورہ مل جانے پر انسان کبھی بدبخت نہیں ہوتا اور مشورہ سے بے نیازی برتنے والا انسان کبھی نیک بخت نہیں ہو سکتا"۔

نیز قرطبیؒ نقل کرتے ہیں :"وقال بعضهم: شاورمن جرب الأمور" یعنی :"تجربہ کار انسان سے مشورہ لیجئے"۔

۴۔ قال البخاریؒ : (وكانت الأئمة بعد النبي ﷺ يستشيرون الأمناء من أهل العلم في الأمور المباحة ليأخذوا بأسهلها) یعنی :"نبی کریم ﷺ کے بعد ائمہ اہلِ علم میں سے امین لوگوں سے مشورہ لیا کرتے تاکہ مباح امور میں سے جو آسان ہو اس پر لوگ عمل کر سکیں"۔

۵۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں :"ليكن أهل مشورتك أهل التقوى والأمانة، ومن يخشى الله تعالى"۔ یعنی : "امیر کے مشیر متقی، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور صاحبِ امانت انسان ہونے چاہئیں"۔

۶۔ "قال الحسنؒ: والله ماتشاورقوم بينهم الأهدوهم لأفضل مايحضربهم"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی : "حضرت حسنؒ حلف اٹھا کے فرماتے ہیں کہ جب کوئی قوم آپس میں مشورہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ انہیں بہتر چیز کی راہنمائی فرماتا ہے"۔

۷۔ علامہ قرطبیؒ اہلِ علم کا قول نقل کرتے ہیں : "وصفة المستشار إن كان فى الأحكام أن يكون عالماً ديّناً، وصفة المستشار في أمور الدنيا أن يكون عاقلاً مجرباً"۔

یعنی : "شریعت کے امور میں مشورہ کسی عالم دیانتدار سے لینا چاہیے اور دنیاوی امور میں مشورہ کسی عقلمند اور تجربہ کار سے لینا چاہیے"۔ (تفسیر قرطبی : ۴ / ۲۵۰، ۲۵۱ طبع دمشق)

احمد مصطفیٰ مراغیؒ فرماتے ہیں : "وقد عمل النبي صلی اللہ علیہ وسلم بالشوریٰ في حياته ،فكان يستشير السواد الأعظم من المسلمين ويخص بها أهل الرأي والمكانة فى الأمور التي يضر اختباء ها"۔ (تفسیر المراغی : ۴ / ۱۱۳۔ طبع دار احیاء التراث العربی) یعنی : "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں شوریٰ پر عمل کیا، اور مسلمانوں میں سے اہل الرائی اور اصحابِ مرتبہ صحابہؓ سے ایسے امور میں مشورہ لیتے جن کا افشاء نقصان دہ ہوتا"۔

فوائد شوریٰ ۱۔ اس سے اصحاب المشورہ کی عقل، فہم و فراست، تجربہ اور جس امر میں مشورہ لیا جاتا ہے اس سے محبت اور عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی عقل اور فکر مختلف پیدا کی ہے۔ لہذا چند انسانوں سے مشاورت کے بعد کوئی بہتر چیز ہی سامنے آسکتی ہے۔

۳۔ جب مشورہ سے ایک چیز متفقہ صورت میں سامنے آئے گی تو اس میں اختلاف کا امکان کم ہوگا اور وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے گی۔

۴۔ اس میں مسلمانوں کے اجتماع کا مظاہرہ ہے جس میں دشمن کے خلاف کئی ایک امور میں فوائد کا امکان ہے۔

مذکورہ بالا روایات اور اقوال سے معلوم ہوا کہ اسلام کا نظام شورائی ہے اور مشورہ بھی ایسے انسانوں سے لینا چاہیے، جو اہلِ علم، متقی، امین، اللہ تعالیٰ کے خوف کو مدنظر رکھنے والے اور معاملات میں تجربہ کار ہوں۔ کسی ایسے انسان کو نہ ہی تو مشیر بنایا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس سے کسی قسم کا مشورہ لیا جاسکتا ہے۔ جو شرعی معاملات میں، اہلِ علم اور اہلِ تقویٰ سے نہ ہو، اور دنیاوی امور کو سمجھنے والا نہ ہو۔

آگے علامہ مراغیؒ فرماتے ہیں : "وهكذا يستشيرهم في كل أمر مالم ينزل عليه فيه وحي، فإنه اذ ذاك لابد من نفاذه، ولم يضع النبي صلی اللہ علیہ وسلم قواعد الشوریٰ، لأنها تختلف باختلاف أحوال الأمة الاجتماعية، وبحسب الزمان والمكان...... الخ"

یعنی : "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس معاملہ میں صحابہؓ سے مشورہ لیا کرتے جس میں وحی نازل نہ ہوتی اور وحی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورت میں اس کا نفاذ ضروری تھا، لہذا اس میں مشورہ کی ضرورت نہ ہوتی"۔

نیز آپ ﷺ نے شوریٰ کیلئے کوئی قواعد بھی وضع نہیں فرمائے، کیونکہ امت کی اجتماعی زندگی کے احوال کا تقاضا مختلف ہو سکتا تھا۔ لہذا متعین قواعد وضع کر دینے میں امت مشکلات کا شکار ہو سکتی تھی۔ اور بسا اوقات وقت اور مقام کا تقاضا بھی مختلف ہو سکتا ہے۔ اس لئے قواعد کی ضرورت نہ تھی۔

ہاں نفسِ شوریٰ کا حکم تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا اور اس کیلئے اہل الرأی باصلاحیت اہلِ علم کا پتہ سابقہ اہلِ علم کے اقوال اور امام حاکمؒ اور امام بیہقیؒ کی ذیل کی روایت سے چلتا ہے :

(عن ابن عباسؓ انه قال في ﴿وشاورهم فی الأمر﴾ ابوبکرؓ و عمرؓ)

یعنی : "حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آیت میں آپ ﷺ کو جن لوگوں سے مشورہ لینے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ ابو بکرؓ و عمرؓ اور ان جیسے صاحبِ علم ہیں"۔ (روح المعانی : ۳ / ۱۰۷ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان)

کلبی ابو صالح کی وساطت سے بھی نقل کرتے ہیں : "إن الآية نزلت فيهما"

یعنی : "آیت مذکورہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے نازل ہوئی"۔

امام بخاریؒ نقل فرماتے ہیں :"وكان القراء أصحاب مشورة عمرؓ كهولاً كانوا أو شباناً"۔

یعنی : "حضرت عمرؓ کے مشیر قاری تھے خواہ وہ نوجوان ہوتے یا ادھیڑ عمر"۔ (صحیح بخاری : ~~۲ / ۱۰۹۳~~، ۱۰۹۶)

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں :"قال ابن خواز منداد، واجب على الولاة مشاورة العلماء فيما لايعلمون وفيما أشكل عليهم من أمور الدنيا ومشاورة وجوه الجيش فيما يتعلق بالحرب، ووجوه الناس فيما يتعلق بالمصالح ووجوه الكتاب والعمال والوزراء فيمايتعلق بمصالح البلاد وعمارتها"۔ یعنی :"ریاست اور مملکت کے والیوں پر، ایسے امور میں جن کے بارے میں انہیں علم نہ ہو، اہلِ علم سے مشورہ لے لینا واجب ہے، خواہ مشورہ دنیاوی امور کے بارے ہو، یا حرب کے بارے، یا ملک کے مصالح اور اس کی تعمیر کے بارے میں"۔ (تفسیر فتح البیان : ۲ / ۱۵۶۔ طبع مطبعة العاصمة قاہرہ)

نواب صاحب علامہ قرطبیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں :"عن ابن عطيةؒ انه لا خلاف في وجوب عزل من لايستشير أهل العلم والدين"۔ یعنی :"اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جو رئیس مملکت بوقتِ ضرورت دیندار اہلِ علم سے مشورہ نہیں لے گا، اسے معزول کر دیا جائیگا"۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں :"ظاهر الأمر للوجوب ﴿وشاورهم﴾ يقتضى الوجوب"۔ یعنی "ظاہر امر سے وجوب ہی ثابت ہوتا ہے"۔ لہذا رؤساء کیلئے مشورہ لینا واجب ہوگا۔ (تفسیر کبیر : ۹ / ۶۷۔ تہران)

ہاں امام شافعیؒ فرماتے ہیں :"محله على الندب"۔ یعنی :"وہ مستحب سمجھتے ہیں"۔ (جاری ہے)

© rasailojaraid.com